میرزا غالب کا مذہب

مذہب کو شاعروں کے۔ تو کیا پوچھتا ہے شیخ
جس وقت جو خیال ہے۔ مذہب بھی ہے وہی (اکبر)

میرزا غالب دہلوی مرحوم کی پذیرائی جیسی انکے شایان شان تھی۔ اگرچہ انکی زندگی میں نہ ہو سکی مگر بالآخر ملک و قوم نے کی اور خوب کی انکی فارسی اور اردو شاعری، انکی نثاری، انکی جدت پسندی، انکی ظرافت، انکی شرافت، انکی فیاضی، اور انکی امداد بیچارگاں، غرض ان کے صحفۂ ہستی کی ہر سطر بلکہ ہر لفظ اور انکے چہرۂ زندگی کا ایک ایک خط و خال کافی وضاحت سے منظر عام پر لایا جا چکا ہے۔ اب کسی کا ان کے متعلق کچھ لکھنا غالباً تحصیل حاصل سے زیادہ نہیں۔ لیکن باوجود اس کے ان کے مذہب کا مسئلہ سخت اختلافی بنا ہوا ہے۔ اور جہاں تک میرا خیال ہے، کسی نے انکے مذہب پر مختتم بحث ابتک نہیں کی۔

اگر یہ سچ ہے کہ تاریخ و سیر کا احیاء و ابقاء، آئندہ نسلوں کے لئے درس عبرت اور ورقِ نصیحت ہے تو اسکو بھی ضروری ہونا چاہئے کہ سوانح ویسے ہی ہوں جیسے صاحب سوانح میں تھے یعنی متوفی اور اس کے تذکرہ میں اصل و نقل، سیاہ و سفید، صحیح و غلط کی مناسبت ہو۔ نیز یہ کہ اگر عوام کسی دھندلے نشان کیوجہ سے صاحب سوانح کا چہرہ ہو بہو اور مو بمو نہ دیکھ سکیں یا کسی اور عارض کے باعث، لوگ کسی غلط فہمی میں پڑ جائیں تو اہل زمانہ کا فرض ہونا چاہئے کہ جلد از جلد اسکی اصلاح کر دیں کیونکہ امتدادِ زمانہ کے باعث کبھی وہی چھوٹی چھوٹی غلط فہمیاں، بڑے خیالات اور غلط عقاید بنجائیں گی اور پھر وہ سوانح و تذکرہ بجائے درس عبرت ہونے کے، اکثر موجب ضلالت ہوں گے اور بیشتر باعث نفرت!!

ہند کے مشہور اہل قلم مولانا شبلی مرحوم اپنی تصنیف "اورنگ زیب پر ایک نظر" میں لکھتے ہیں "فلسفۂ تاریخ کا یہ ایک راز ہے کہ جو واقعہ جس قدر زیادہ مشہور ہوگا اسی قدر زیادہ غلط اور دور از کار ہوگا" واقعی بالکل سچی رائے ہے۔ بات یہ ہے کہ طبائع مختلف ہوتے ہیں اور اقتضائے زمانہ بدلتا رہتا ہے۔ ناممکن ہے کوئی شخص مرتے دم تک ایک ہی ماحول اور ایک ہی فضا میں رہے دوسرے جو شخص جتنا زیادہ مرجع عوام ہوگا اسی نسبت سے اس کے متعلق زیادہ غلط اور دور از کار روایتیں مشہور ہونگی کچھ غلط فہمی سے کچھ خوش اعتقادی سے، اور اکثر تو لوگوں کی دروغ بیانیوں سے۔ اور اگر کہیں ان قدرتی اسباب کے ساتھ صاحب سوانح کوئی آزاد خیال، صلح کل اور مرنجاں مرنج شخص ہوا، جو ہر مسلک والوں سے خندہ پیشانی وسیع النظری اور رواداری سے ملا تو پھر قیامت ہی ہے۔ اس صورت میں لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ صاحب سوانح زیادہ غلط اور خلاف واقع اوصاف کیساتھ، ایک بالکل جداگانہ شکل و لباس میں روشناس عوام ہوتا ہے۔ اور غالب کو بالکل یہی صورت پیش آئی۔

آپ اس نظریہ کو زید و عمر کے یا غالب کے تذکرہ میں نہ دیکھئے بلکہ اصولاً اس پر نظر ڈالئے۔ عنقا در دیوار قہقہہ کو بھی جانے دیجئے۔ کیا آج دنیا اس امر کو باور کریگی کہ کلکتہ کی کال کوٹھری کا واقعہ محض نام نہاد اور بے بنیاد تھا۔ یا جہانگیر شراب کے نشہ میں چور اور سلطنت کے امور سے غافل نہ تھا بلکہ وہ نہایت باخبر، ہوشیار، نکتہ رس اور عادل بادشاہ تھا۔ بادہ خواری کا واقعہ گو صحیح ہے لیکن نہ اس حد تک بلکہ وہ در ایام جوانی چنانکہ

افتد، دانی" کے قبیل سے تھا۔ اور آخر میں یہ کہ کیا دنیا اس کے ماننے کے لئے تیار ہے کہ عالمگیر بد نہیں تھا مگر بدنام ضرور ہو گیا۔ مورخین نے جلد اسکی خبر نہ لی بس جھوٹ نے جڑ پکڑ لی۔ اب معدودے چند ہی لوگ ایسے ہیں جو جانتے ہیں کہ مذکورہ بالا مثالوں کے متعلق جو حالات مشہور ہیں انکے جھوٹ میں کسقدر سچ ہے۔ اب بھی اگر جلد خبر نہ لی گئی تو عجب نہیں کہ اتنا احساس بھی مفقود ہو جائے۔

اسوقت اس تحریر کا مدعا بھی ایک شبہ کا ازالہ ہے۔ لوگ غالب دہلوی کو شیعہ بتاتے ہیں حتیٰ کہ بعض شیعہ اخباروں کی یہ روش بھی نظر آئی کہ مرزا صاحب کی وہ نظمیں جن سے یہ عقاید تشیع مترشح ہوتے ہیں۔ خاص نمبروں میں نہایت اہتمام سے شایع کیگئی ہیں۔ اغلب یہ ہے کہ اس سے مرزا غالب کا تشیع ثابت و ظاہر کرنا مقصود ہو لیکن مجھے انکے تشیع میں شک ہے۔ میرے نزدیک غالب کو شیعہ ثابت کرنا اس قبیل جیسے بعض حضرات شیخ سعدیؒ کے تشیع کے قایل ہیں۔ میں تو یہ دیکھتا ہوں کہ اگر غالب کا کوئی مذہب تھا تو باوجود لوگوں کے مزعومہ دلائل تشیع کے بھی وہ سُنّی تھا ورنہ حسبِ الہام اکبر مرحوم (جس وقت جو خیال ہے۔ مذہب بھی ہے وہی) اس کا کوئی مستقل مذہب نہ تھا!!!

بادی النظر میں اس مضمون کی چنداں ضرورت نہ تھی کیونکہ ایک تو یہ بحث مصلحتِ زمانہ کے مناسب، اور یہ وقت کے موافق نظر نہیں آتی اور شاید یہ جگر کاوی محض فضول سمجھی جاوے۔ دوسرے میرزا غالب کو کوئی سُنّی سمجھے یا شیعہ جانے اس سے نہ قوم کو فائدہ پہونچ سکتا ہے نہ نقصان، اور نہ خود میرزائے موصوف کی ذات میں کوئی شرف یا نقص لازم آتا ہے کہ وہ ملتوں کے رسوم اور فرقوں کے قیود سے بے نیاز تھے اور عمر خیام کے الفاظ میں (آزاد ز دوزخ است و فارغ ز بہشت) لیکن چونکہ میرے نزدیک پبلک اس باب میں سخت شبہ اور غلط فہمی میں پڑی ہوئی ہے اس لئے میں نے اسکو اپنا فرض سمجھا کہ میرزا غالب کے کلام و سوانح اور تذکرے وغیرہ کے دیکھنے سے جو کچھ میں نے نتیجہ نکالا ہے وہ مالہٗ وماعلیہ کیساتھ بیان کر دوں اور بس میں حاشا کسی فرد یا کسی فرقہ کی دلشکنی نہیں چاہتا۔ میری غرض صرف یہی ہے کہ اپنے نتیجہ تحقیق کو لوگوں تک پہونچا دوں تاکہ جس طرح خود مجھ کو اس بارہ میں تسکین ہو گئی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی اور شخص بھی میرزائے مذکور کا صحیح و تحقیقی مذہب معلوم کرنا چاہتا ہو تو اسکی تسکین و تشفی بھی ہو جائے اور اس طرح اس "کوہ کندن و کاہ برآوردن" کا کچھ تو فائدہ نکلے۔

یہ میں اوپر کہہ چکا ہوں کہ میرزا غالب کی ذات تشیع و تسنن کے تشخصات و امتیازات سے بالاتر اور قوم و ملک کے قیود سے یکسر بے نیاز تھی۔ اور صرف غالب ہی پر کیا انحصار ہے تمام فلاسفہ، علما و فضلا، مشاہیر اسلاف، ماہرین و کاملین فن کی ذاتوں اور شخصیتوں کے لئے مذہب و ملک، قوم و خاندان، حسب و نسب کے تشخصات اگر ننگ نہیں تو مہمل ضرور ہیں۔ انکی ذاتیں، انکی صفتیں، انکے کمالات، انکے اخلاق، انکے لئے وسائل شہرت و ہر دلعزیزی کیا کم تھے کہ یہ زوائد درکار ہوتے۔ شیخ سعدی (بقول بعض) شافعی المذہب تھے۔ صاحب تفسیر کشاف علامہ زمخشری معتزلی تھے۔ حدیث کے مشہور خادم و مدون امام بخاری عجمی اور شافعی تھے اور امام ترمذی بھی۔ امام ابو حنیفہ (شاید) جاٹ تھے اور کوفہ کے باشندے تھے (وغیر ذالک) مگر ان سب تشخصات سے ان سب حضرات کی ذات اور شہرت پر اور اس جوش عقیدت پر جو لوگوں کو ان سے ہے کیا اثر پڑا۔ میرے نزدیک تو مذہب دراصل نام ہے "خدا و خلق کے ساتھ اپنے معاملات صاف و درست رکھنے کا۔"

اور بس اگر یہ تعریف صحیح ہے، اور امید ہے کہ اکثر حالتوں میں صحیح ہوگی۔ تو پھر ایک شخص جس نے عیسائیوں میں پیدایش و پرورش پائی ہو۔ یا وہ لوگ جنہوں نے ہندو گھرانہ میں جنم لیا ہو۔ یا وہ جنہوں نے مسلم، جین، بدھ، یہود اور پارسی خاندانوں میں آنکھ کھولی ہو بہت ممکن اور یقینی ہے کہ اپنے معاملات خدا و خلق کے ساتھ درست رکھ سکیں مگر ساتھ ہی ساتھ ان نام نہاد مذاہب و فرق (مثلاً تشیع۔ تسنن۔ اسلام بت پرستی۔ عیسائیت۔ یہودیت وغیرہ) سے کسی ایک کے ساتھ موسوم و متصف ہو کر نہ پہچانے جاتے ہوں کیونکہ تعریف بالا کے مطابق تمام مذاہب کا ماحصل تو صرف ایک ہی نقطہ اور ایک ہی مرکز تک پہونچتا ہے مگر وہاں سے جو تفریق ہوتی ہے وہ صرف رسوم مذاہب اور خصائص ملل کے اختیار کرنے سے اور اکثر تو اپنے خصائص و رسوم پر تشدد و انہ تقشف پیدا کرنے سے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر سلیم الطبع صلح کل شخصیتیں رواداری اور اخلاق کی بناپر نہ ایک برہمن کے ساتھ رام رام کہنے میں دریغ کرتی ہیں نہ کسی گبر کے ساتھ آتشکدہ میں پہونچکر برسم (جھاؤ کی لکڑیاں) وغیرہ کے استعمال میں باک۔ ایسا شخص بیک وقت تمام مذاہب کا پیرو بھی سمجھا جا سکتا ہے اور پھر کسی مذہب کا بھی نہیں۔ وہ تشدد مذہبی اور تقیید اعمال کو بہت لازمی نہیں سمجھتا۔ مولانا شبلی نے "المامون" صفحہ ۱۶۰ پر ایک عجیب کام کی بات لکھی ہے:۔ "بزرگانِ سلف میں سیکڑوں ایسے گذرے ہیں کہ اگر انکے مجموعۂ عقاید کا شیرازہ کھولدیا جائے تو سُنّی، شیعہ، معتزلی، قدری ہر ایک کے ہاتھ میں اسکا کچھ حصہ آئے گا"

خود میرزائے مذکور کا اس بارہ میں جو کچھ فیصلہ یا فلسفہ ہے وہ بھی سُن لیجئے:۔

ہم موحد ہیں۔ ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہوگئیں

لیکن تشریح بالا سے یہ نہ سمجھا جائے کہ میں مذہب کی کچھ ضرورت نہیں سمجھتا۔ حاشا للہ۔ میرے نزدیک کم عقل اور کجرو طبائع کے لئے اور بالخصوص آجکل کے ہٹ دھرم اور قیدِ مذہب و اعمال سے بھاگنے والے، لوگوں کے لئے مذہب اسیطرح ضروری ہے جس طرح مدنیت و تہذیب کے لئے قانونِ تعزیرات۔ فرق یہ ہے کہ اسکا تعلق تمامتر جسم و جوارح سے ہے اور اسکا یکسر روح و عقل سے!!۔ دنیا میں دو قسم کے لوگ ہیں ایک وہ جو قدرت سے سلامت روی لے کر آئے ہوں اور تشدد کی فضا اور تنگ نظری سے بچے ہوں اور دوسرے وہ جو فطرت سے بے راہ روی لیکر اُترے ہوں پھر تشدد و کجرویوں کے ماحول میں انکی زندگی ہو، اول الذکر کوئی خاص مذہب رکھکر بھی خدا سے سرخرو، اور باآبرو خلق میں رہ سکتے ہیں کہ یہی ماحصل ہے تمام مذاہب حقہ کا اور مؤخر الذکر بغیر کسی تقیید کے کبھی کسی سے سرخرو نہیں ہو سکتے۔

میرزا غالب نے اپنے ایک شعر میں اگرچہ ایک بالکل جداگانہ بات کہی ہے مگر آپ اسوقت اسے اسی نظر سے دیکھ لیجئے:۔

اے کہ در راہ سخن چوں تو ہزار آمد و رفت ہرزہ مشتاب و پئے جادہ شناساں بردار

ورنہ سچا فلسفۂ مذہب تو شیخ سعدی نے بیان کیا ہے:۔

دریں بحر جز مرد داعی نہ رفت گم آں شد کہ دنبالِ راعی نہ رفت

کسانیکہ زیں راہ برگشتہ اند برفتند و بسیار سرگشتہ اند!!

خیر! اب دیکھنا یہ ہے کہ میرزا غالب کہاں تک اپنے معاملات کو خدا و خلق کے ساتھ صاف و درست رکھتے تھے۔ غالب ایک

نہایت سلامت رو شخص تھے۔ اور یہ مسلم ہے کہ ایک سُنّی خاندان میں پیدا ہوئے اور پیشہ آبا سپہ گری تھا وہ اسلام کی حقیقت پر نہایت پختہ یقین رکھتے تھے اور توحید وجودی کو اسلام کا اصل اصول اور رکن رکین جانتے تھے، وہ مذہب کے اعمال کی قید سے تو ضرور آزاد تھے مگر "تمام عبادات و فرائض و واجبات میں سے انہوں نے صرف دو چیزیں لے لی تھیں ایک توحید اور دوسرے نبی اور اہل بیت نبی کی محبت، اور اسی کو وسیلۂ نجات جانتے تھے" وہ ملائکہ کتب آسمانی، اور جملہ پیغمبران علیہم السلام کو مفترض الطاعت اور برحق مانتا تھا۔ پیغمبر اسلام کو دل سے پیامبر الٰہی، ہادی، آقا اور شافع جانتا تھا، پیغمبر اسلام کے تمام صحابہ کرامؓ کو بزرگ جانتا، اور ان سب کا ادب کرتا تھا۔ اس نے کبھی کسی صحابی کی برائی نہیں کی بلکہ تعریف کی ہے[۱] (مفصل آگے آئیگا) وہ قیامت، جزا و سزا پر بھی ایمان رکھتا تھا۔ وہ ترک نماز و روزہ، بادہ نوشی، زنا اور بقیہ کبائر کو دل سے گناہ سمجھتا۔ اپنی بادہ نوشی پر گناہگار ہونیکا اقرار کرتا، اور اکثر اللہ کے حضور میں معذرت و استغفار کیا کرتا۔ اسنے اپنا کوئی گناہ کبھی نہیں چھپایا۔ یادگار غالب صفحہ ۶۶ پر ہے "اگرچہ شاعری کی حیثیت سے انہوں نے شراب کی تعریف کی ہے مگر اعتقاداً وہ اسکو بہت برا جانتے تھے اور اپنے اس فعل پر سخت نادم تھے۔ جنہوں نے کبھی اپنے اس فعل کو چھپایا نہیں" پھر صفحہ ۴۸ پر ہے "میرزا غالب نے کہا...... اگرچہ میرے گناہ ایسے ہی ہیں کہ میرے ساتھ اس سے بھی بدتر سلوک کیا جائے لیکن اسمیں شک نہیں کہ میں موحد ہوں۔ ہمیشہ تنہائی میں یہ کلمات میری زبان پر جاری رہتے ہیں لا الٰہ الا اللہ، لا موجود الا اللہ، لا موثر فی الوجود الا اللہ"، مثنوی ابر گہر بار میں مناجات کے ذیل میں غالب لکھتے ہیں:۔

"ہمانا تو دانی کہ کافر نیَم	بہ پرستار خورشید و آذر نیَم	نہ کُشتم کسے را بہ اہریمنی	نہ بُردم زکس مایہ از رہزنی
مگر مے کہ آتش بہ گورم ازوست	بہ ہنگامہ پرداز مورم ازوست	من اندوہگیں و مے اندہ ربائے	چہ می کردم اے بندہ پرور خدائے"

یعنی "اے اللہ یہ تو تو اچھی طرح جانتا ہے کہ میں کافر نہیں ہوں۔ نہ سورج یا آگ کی پرستش کرتا ہوں۔ میں نے کسی کی جان نہیں لی میں نے کسی کا مال نہیں لوٹا۔ مجھ میں بس ایک عیب ہے کہ میں شراب پیتا ہوں کہ وہی میری ہلاکت کا باعث ہے۔ میں مصیبت کا مارا اور آفت کا مارا تھا ایسی صورت میں صرف شراب ہی تھی جو غم غلط کرتی۔ بھلا اے میرے اللہ اگر غم میں شراب نہ پیتا تو کیا کرتا!!" اس درمندی اور حسرت نفسی سے گھگھیا کر گڑگڑا کر کہنا، استغفار ندامت نہیں تو اور کیا!!

اسکے علاوہ رقعات میں "نجات کا طالب، غالب" وغیرہ صاف گنہگاری کے اقرار اور اللہ سے استغفار کو ظاہر کرتے ہیں یہ تو تھا اسکا خدا کے ساتھ معاملہ۔ اور کسی کو حق نہیں کہ ایسے خیالات و عقاید کے شخص کو کافر اور دوزخی سمجھے[۲]۔

---

[۱] یہاں تک عقاید غالب کے سلسلہ میں جو کچھ لکھا گیا وہ غالباً حوالہ طلب نہیں کیونکہ بہت مشہور باتیں ہیں۔ پھر بھی میں نے کوئی بات اپنی طرف سے نہیں لکھی بلکہ یا تو حالی کے الفاظ ہیں اور یادگار غالب صفحات ۶۶-۶۹ کا خلاصہ انہیں الفاظ میں ہے یا خود غالب کے الفاظ۔

[۲] یہاں پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک روایت جو مجھکو شاہ عبدالشکور صاحب سجادہ نشین درگاہ ملا محمدی شاہ الٰہ آبادی سے پہونچی ہے عرض کر دوں وہ فرماتے تھے کہ میں نے ایک کتاب میں پڑھا ہے کہ کسی درویش کو معاملہ در کشف میں معلوم ہوا کہ غالب شاعر کی نجات ہو گئی کیونکہ اسنے موت سے دو تین دن پہلے شراب سے توبہ کر لی تھی

رہا خلق خدا کے ساتھ اس کا معاملہ تو شاید بڑے سے بڑا پابند مذہب شخص بھی اس سے زیادہ نہیں کریگا جتنا غالب مست و خراب نے کیا۔ وہ ایک صلح کُل اور مرنجان مرنج شخص تھا وہ کبھی کسی سے (سوا اپنی قسمت کے) لڑا جھگڑا نہیں۔ وہ دل آزاری حرام سمجھتا۔ اس نے کبھی کسی کی ہجو نہیں کی۔ ظرافت میں بیوی پر جو جملے کسے ہیں انکو جانے دیجئے۔ وہ شناسا و غیر شناسا سب کے ساتھ سلوک کرتا۔ خندہ پیشانی سے پیش آتا۔ فرمائشیں پوری کرتا۔ لوگوں کی حاجت برابری کو اپنا فرضِ عین سمجھتا اور فریضۂ اولین خیال کرتا۔ وہ غربا پرور انتہا درجہ کا تھا اور انکی امداد اپنی بساط سے زیادہ کرتا۔ اسمیں مروّت و ایثار بدرجۂ غایت تھا یہی وجہ تھی کہ ہمیشہ مفلس رہتا۔ وہ غربت زدہ شرفا کی مصیبت دیکھ کر کانپ اٹھتا اور اسلام اور اسلامیوں کی ہتک و اہانت سے سخت ملول و متاثر ہوتا (یادگار صفحات ۶۰ و ۷۰ و ۵۸ و ۶۸) یہ تھے غالب جوم کے اعتقادات و اعمال۔

اب اگر غالب اپنی ظرافت سے مجبور ہو کر یہ کہے کہ "تمام عمر میں ایک دن شراب نہ پی ہو تو کافر اور ایک دفعہ نماز پڑھی تو گنہگار" (یادگار صفحہ ۶۸) یا یہ کہدے کہ "آدھا مسلمان ہوں شراب پیتا ہوں۔ سور نہیں کھاتا" (یادگار صفحہ ۳۶) یا اللہ سے یہ کہے کہ "ہم بھی کیا یاد کرینگے کہ خدا رکھتے تھے" یا حضرت خضرؑ کو یوں خطاب کرے "نہ تم کہ چور بنے عمرِ جاوداں کیلئے" تو اس سے اسکا کفر نہ مستنبط کرنا چاہیئے۔ اور نہ غالباً دنیا کفر مستنبط کرتی ہے پھر جس طرح اسکو ان کفر نما شواہد پر کافر نہیں کہہ سکتے اسی طرح بعض "تشیع ریز" شواہد پر اسکو شیعہ بھی نہ کہنا چاہیئے۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۲) جسکا قصہ یوں ہوا کہ جب غالب، دہلی کے مشہور صوفی سلسلہ میں مرید ہونے گئے تو مرشد کامل نے ترک معاصی و کبائر کا عہد لیا۔ مرزا بولے حضرت تمام کبائر ترک کر سکتا ہوں ایک شراب کو نہیں چھوڑ سکتا کہ وہ میری زندگی ہے اور اماندہ رہا، مرشد نے بعد تامل کے کہا "اچھا ایک شرط پر شراب پی سکتے ہو" تو پوچھا وہ کیا، ارشاد ہوا جب شراب ایک روپیہ کو بکنے لگے تو چھوڑ دینا۔ یہ تو کر سکو گے" مرزا نے سوچا کہ روپیہ تو شراب کا ہے کو کبھی بکیگی اور کاہے کو مجھے چھوڑنی پڑیگی، علاوہ اسکے میں کہاں سے آمنا روپیہ پاؤنگا جو روپیہ تو شراب ہوگا۔ تب تو بقولِ خود (کافر تواں شد ناچار مسلماں شو) شراب چھوڑنی ہی پڑیگی" غرض یہ کچھ سوچکر مرزا نے آنسے عہد کر لیا اور گھر چلے آے اور مدت العمر شراب پیتے رہے۔ مرنے سے پیشتر نوکر کو شراب لانے بازار جو بھیجا تو معلوم ہوا کہ نرخ بہت بڑھ گیا ہے مرزا نے کہا اور روپیہ لیجا اور جلد شراب لا۔ وہ پھر خالی ہاتھ واپس آیا کیونکہ اتنی ہی دیر میں نرخ اور بڑھ گیا تھا۔ پھر اور روپیہ دیا اور نوکر کو بازار بھیجا۔ لیکن جب وہ جا چکا تو مرزا کو خیال ہوا کہ یہ قصہ کیا ہے۔ یکایک خیال آیا کہ یہ قضیۂ اتفاقیہ نہیں بلکہ اس پردہ میں کوئی بات ہے پھر مرشد کامل کا مقولہ اور انکی ہدایت اپنا عہد یاد آیا فوراً دوسرے آدمی کو دوڑایا کہ نوکر کو بلالے۔ شراب لانیکی ضرورت نہیں۔ اسی وقت توبہ کر لی اور پھر شراب نہیں پی" ممکن ہے کہ یہ روایت غلط ہو لیکن درایتہً اسمیں کچھ استبعاد و استحالہ نہیں۔ اول تو بعض مشائخ سے بمصالح چند اس طرح کسی امر ممنوع کی شرط و اجازت منقول ہے کہ (سالک بےخبر نبود زراہ و رسم منزلہا) دوسرے غالب تھا بھی ایسا ہی وضع دار کہ اگر اسنے مرشد سے یا کسی سے عہد کیا ہو تو پھر چاہے لاکھ خواہش ہوئی ہو۔ اس نے نہ پی ہوگی۔ یادگار غالب میں صفحہ ۴۰ پر ہے کہ:۔ "مرزا کو سوتے وقت کچھ پینے کی عادت تھی مگر جو مقدار مقرر کر لی تھی اس سے زیادہ نہ پیتے تھے" تیسری بات یہ ہے کہ اردوے معلّی کے بعض رقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانہ میں شراب مہنگی ہو گئی تھی اور غالب نے دوستوں سے پوچھا ہے کہ بمبئی وہاں اولڈ ٹام یا فرنچ کی کیا قیمت ہے۔

پھر شاید "مہیش داس" نے انکے پاس بھجوا دی ہے جس پر انکے بڑے شکر گزار ہوئے ہیں۔ کیا عجب ہے کہ اسکے بعد نرخ بہت ہی بڑھ گیا ہو اور۔ صورت پیش آئی ہو۔ جو تھی یہ کہ مرنے سے دو تین دن پہلے سے وہ زخموں سے چور بے ہوش پڑا رہتا تھا اور اللہ اللہ کرتا تھا۔ اسوقت تو شراب یقیناً چھوڑ دی ہوگی اور اگر توبہ بھی کر لی ہو تو بعید نہیں۔

اب ہم پہلے وہ امور درج کرتے ہیں جن سے اس کا شیعہ ہونا ثابت کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد ان پر نقد و درایت کی نظر ڈالی جائیگی پھر آخر میں وجوہ تسنن لکھے جائیں گے۔ مرزا صاحب نے متعدد مواقع پر ایسے کلمات و اشعار کہے ہیں کہ جن سے تشیع مترشح ہے اور غالباً یہی سب سے بڑی دلیل، مرزا کو شیعہ سمجھنے والوں کے پاس ایسی ہے، جس نے مرزا کو خود اقراری مجرم کی طرح شیعہ بنا رکھا ہے۔ مثلاً:۔

اقوال و کلمات

(الف) آپ ایک شخص کو جواباً لکھتے ہیں "ارے تم نہیں جانتے کہ میں ہر جملہ کے بعد کیوں ۱۲ لکھ دیا کرتا ہوں بات یہ ہے کہ میں اثنا عشری ہوں اور دوازدہ امام کا غلام پھر میں اس مبارک عدد کو کیوں ترک کر دوں" (اردوئے معلیٰ یا عود ہندی میں یہ رقعہ موجود ہے)

(ب) نواب علاءالدین خانصاحب نے مولوی حمزہ خاں کی طرف سے لکھا "شراب حرام ہے پھر آپ بوڑھے ہو گئے لہذا شراب چھوڑ دیجئے پھر یہ شعر لکھا (چوں پیر شدی حافظ الخ) تو آپ لکھتے ہیں۔ مشرک وہ ہیں جو نو مسلموں کو ابوالائمہ کا ہمسر مانتے ہیں...... میں موحد خالص اور مومنِ کامل ہوں...... انبیا سب واجب التعظیم اور اپنے اپنے وقت میں سب مفترض الطاعت تھے۔ محمد علیہ السلام پر نبوت ختم ہوئی یہ ختم المرسلین اور رحمۃ للعالمین ہیں مقطع نبوت کا۔ مطلع امامت اور امامت نہ اجماعی بلکہ من اللہ ہے اور امام من اللہ علی علیہ السلام ہے ثم حسن ثم حسین۔ اسی طرح تا مہدی موعود علیہ السلام (بریں زیستم ہم بریں بگزرم) ہاں اتنی بات اور ہے کہ اباحت۔ زندقہ کو مردود اور شراب کو حرام اور اپنے کو عاصی سمجھتا ہوں......!"

"انتہی ملخصاً" (یادگار صفحہ ۱۶۳)

(ج) کسی کو لکھتے ہیں "دعا کرو کہ علی علی علی کہتا ہوا اس دنیا سے گزر جاؤں" (اردوئے معلیٰ)

اشعار

۱۔ منصورِ فرقۂ اسد اللٰہیاں منم　　آوازۂ انا اسد اللہ بر افگنم

۲۔ . . . .　　ہم اسد اللّٰہم و ہم اسد اللّٰہیم

۳۔ خدائش روا نیست ہر چند گفت　　علی را توانم خداوند گفت

۴۔ بامن میاویز اے پدر، فرزند آزر را نگر　　ہر کس کہ شد صاحب نظر، دینِ بزرگاں خوش نکرد

۵۔ غالب ندیمِ (نسیمے) دوست سے آتی ہے بوئے دوست　　مشغولِ حق ہوں بندگیِ (پسند) بوتراب میں

۶۔ . . . .　　یا علی عرض کرے فطرتِ وسواس قریں

۷۔ . . . .　　آرائشِ جہاں نگر از سر کند علی

(۲) میرزا نے حضرت علی کی منقبت میں اور واقعہ فاجعہ کربلا کے ذکر میں بڑے اور پر زور قصائد، مرثیے وغیرہ کہے مگر بجز دو تین مقام کے اور کہیں نہ صحابہ کا ذکر کیا ہے نہ خلفائے ثلاثہ کا۔

(۳) مرزا نے سنیوں پر اکثر طنزیہ کلمات کہے ہیں:۔

(الف) ایک سُنّی مولوی، مرزا سے ملنے آئے۔ عصر کا وقت تھا اور رمضان کا مہینہ۔ مرزا نے خدمتگار سے پانی مانگا مولوی صاحب نے

تعجب سے پوچھا کہ "کیا جناب کو روزہ نہیں" مرزا نے کہا "سُنّی مسلمان ہوں چار گھڑی دن رہے روزہ کھول لیا کرتا ہوں" (یادگار صفحہ ۶۹)

(ب) بقول آزاد۔ مرزا سے انکے کسی شاگرد نے پوچھا "آپنے حضرت علی کی تعریف میں تو بڑے زور کے متعدد قصائد لکھے ہیں مگر خلفائے ثلاثہ یا دیگر صحابہ کی تعریف میں کوئی قصیدہ نہ کہا، مرزا بولے "اُن میں علی جیسا کوئی مجھے دکھا دیجئے تو انکی شان میں بھی کہہ دوں، (اسکا مفصل ذکر آگے آتا ہے)

(ج) ایک خط میں جو اوپر گذر چکا ہے۔ لکھا ہے "...... نومسلموں کو ابو الائمہ کا ہمسر مانتے ہیں" گویا حضرت علی کو بچپن میں اسلام لانے پر ابو الائمہ کہا ہے اور انکے مقابلہ میں تمام صحابہ کو عمر کی پختگی میں اسلام لانے پر نومسلم کہا ہے۔

(د) محمد حسین آزاد نے آبحیات میں لکھا ہے کہ "مرزا کا سارا خاندان سُنّی ہے مگر مرزا کے اشعار، ورقعات سے ظاہر ہوتا ہے نیز اہل راز جانتے ہیں کہ ان کا مذہب شیعہ تھا اور لطف یہ کہ ظہور اسکا جوش محبت میں تھا نہ کہ تبرا و تکرار میں" انتہی ملخصاً

یہی چار قسمیں وہ اسباب و دلائل کی ہیں جنکے باعث مرزا غالب کا تشیع ثابت کیا جاتا ہے۔ یہ میں نہیں کہتا کہ میں نے تمام ایسے اقوال و اشعار جمع کر دیئے ہیں مگر یہ ضروری ہے کہ جن باتوں سے غالب پر شیعہ ہونے کا شبہ ہوتا ہے، انکی تمام اقسام میں نے بیان کر دیئے ہیں اور ہر قسم کی دو دو تین تین مثالیں بھی لکھدی ہیں جو شاید سب سے اہم اور قوی تر ہونگی آیئے اک ذرا ان شواہد میں نقد درایت کی اک نظر ڈال لیں پہلے دو تین تمہیدیں سن لیجئے:۔

۱۔ آج تصوف کے جتنے سلاسل دنیا میں ہیں۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے سوائے ایک نقشبندیہ کے۔ کہ وہ خلیفہ اوّل حضرت ابوبکرؓ سے نکلا ہے۔ باقی تمام سلاسل حضرت علی سے نکلے ہیں[۱]۔ اسوجہ سے دنیائے تصوف و سلوک میں، حضرت رسولؐ کے بعد حضرت علی ہی ولی نعمت ہیں کیونکہ انکو جو کچھ دولت و سعادت لذت و چاشنی ملی ہے وہ سب حضرت علیؓ ہی کے توسط سے ملی ہے۔ پھر آپکی ذات بھی مجمع صفات تھی کہ آپ رسولؐ کے عزیز قریب تھے اور رسولؐ کے داماد۔ رسولؐ کے علم کا دروازہ تھے اور رسولؐ کے خلیفہ۔ ایک فرد تھے اس گروہ کے جنکی محبت جزو ایمان ہے۔ حلیم تھے۔ شجاع تھے۔ ماہرِ فنونِ حرب تھے۔ گویا اس شعر کے مصداق بن رہے تھے کہ:۔

زفرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم　　کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست

[۱] جسکی ایک تاریخی وجہ ہوئی وہ یہ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جس زمانہ میں خلیفہ ہوئے ہیں اسوقت صورت یہ تھی کہ (۱) اکثر اجلّہ صحابہؓ شہادت یا وفات پا چکے تھے (۲) زمانہ نبوی کے بعد کے باعث لوگوں میں خرابیاں پھیلنے لگی تھیں (۳) بہت سی نئی قومیں اور نئے ممالک اسلام لا چکے تھے اور اب جوق جوق مدینہ شریف میں حاضر ہونے لگے تھے (۴) اب تک تبلیغ و اشاعت کیلئے دفاعی جنگوں کی ہماہمی کے باعث فرصت نہ تھی مگر اب لوگوں کو گھر بیٹھنے اور دوسرے کاموں کی طرف متوجہ ہونیکا موقع ملنے لگا تھا (۵) اسوقت حضرت علی ہی خلیفہ تھے اور آپسے بڑھکر کوئی شخص اسکا اہل نہ تھا۔ ان وجوہ سے آپنے ضرورت دیکھی کہ رسم بیعت و تعلیم تصوف کی اشاعت ہو لہذا بتوسط امام حسن بصریؒ آپ سے کئی سلسلے نکلے۔

اب اگر کوئی شخص ان اوصاف کے باعث حضرت علیؑ کے ساتھ زیادہ عقیدت رکھے تو اس کا نام شیعیت نہ ہونا چاہیے۔ ورنہ اگر جناب امیرؑ سے زیادہ محبت رکھنا، شہادت حسینؑ کا ذکر کرنا، آل رسول سے محبت کرنا اور انکا دامن پکڑنا، ان سب کا یا انمیں سے ایک یا دو باتوں کا پایا جانا ہی شیعیت کا معیار ہے تو پھر شاید سب سے پہلے شیعہ خود آنحضرت تھے اور پھر تمام صحابہ کبار۔ اور پھر شاید امام شافعیؒ بھی شیعہ تھے جنہوں نے ڈنکے کی چوٹ پر اپنے رفض کا اعلان کیا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

لو کان رفضاً حبُّ آل محمد　　فلیشہد الثقلان انی رافض

(ترجمہ) اگر محمد کے گھرانہ کی محبت ہی کا نام رفض و شیعیت ہے تو آج سارے انس و جان اس بات کے گواہ رہیں کہ میں رافضی ہوں"!!

پھر شاید حضرت غوث پاک بھی شیعہ تھے جن کی طرف یہ رباعی منسوب ہے (اور بقول بعض یہ رباعی حضرت معین الدین چشتی کی ہے

شاہ است حسین بادشاہ است حسین　　دین است حسین دیں پناہ است حسین
سر داد و نداد دست در دست یزید　　حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

اور پھر حضرت شیخ سعدیؒ کیوں نہ شیعہ سمجھے جائیں جو نبیؐ و آل نبیؐ اور حضرت علیؑ و بنی فاطمہؓ کا ذکر کرتے وقت آپے سے باہر ہو جاتے ہیں۔

سعدی اگر عاشقی کنی و جوانی　　عشق محمد بس است و آل محمد
الٰہی بحق بنی فاطمہؓ　　کہ بر قول ایماں کنم خاتمہ
اگر دعوتم رد کنی در قبول　　من و دست و دامان آل رسول
. . . .　　کرم پیشہ شاہ مرداں علیؑ است

اور اسکے بعد آپ تمام صوفیہ اور درویشوں کو بھی شیعی کہہ لیجئے۔ پھر تمام مسلمانوں کو کیونکہ تعظیم جناب امیرؑ، حب آل رسول، حب علیؑ ذکر شہادت، اور اسپر درد آنسو بہانا ہر مسلم کا فرض ہے۔ اور پھر آخر میں یہ کہ پنڈت دیا شنکر نسیم کو بھی شیعہ کہہ لیجیے کیونکہ انکا شعر ہے

پانچ انگلیوں میں یہ حرف زن ہے　　یعنی کہ مطیع پنجتن ہے

علامہ سر اقبال لاہوری بھی ایک شعر سے شیعہ ثابت ہوتے ہیں:۔

ہے اسکی طبیعت میں تشیع بھی ذرا سا　　تفضیل علی ہمنے سنی اس کی زبانی

اس تمہید سے یہ ثابت ہو گیا کہ صوفیہ حضرت علیؑ کا بہت زیادہ ادب اور ان سے بہت محبت کرتے ہیں۔ اب یہ مسلّم امر ہے کہ غالب صوفی تھا۔ تصوف ہی کی کتابیں اکثر اس کے مطالعہ میں رہتی تھیں کلام میں "مسائل تصوف" بیان کرتا تھا اس کے علاوہ وہ ایک مشہور صوفی خاندان میں مرید تھا۔ لہذا اسکی حب علی و حب آل نبی کی اصلی وجہ یہ ہے۔ اب یہ امر کہ تصوف کو شیعہ حضرات مانتے ہیں یا نہیں۔ اور انمیں کوئی صوفی اور مرید ہوتا ہے یا نہیں یہ ایک بالکل واضح اور کھلا ہوا مسئلہ ہے کہ وہ لوگ تصوف اور صوفیہ سے سخت متنفر ہیں۔ اسکا بیان تفصیل چاہتا ہے جو محققین کا کام ہے۔

دوسری تمہید شاعروں کا فرقہ ایک ایسا متلون مزاج اور متغیر المذہب فرقہ ہے جسکو آج اکبر مرحوم نے "جسوقت جو خیال ہے مذہب بھی ہے وہی" کہکر بیان کیا ہے حالانکہ آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پیشتر قرآن حکیم نے زیادہ بلیغ اور جزیل الفاظ میں یوں کہا تھا "اَلَمْ تَرَ اَنَّھُمْ الخ" یعنی تم نہیں دیکھتے کہ یہ شعرا اور ان کے متبعین ہر گھاٹی اور وادی میں بہکتے پھرتے ہیں اور ایسی باتیں کہتے ہیں کہ جو خود کرتے نہیں" اس فرقہ کے نزدیک کسی عبید الدرہم کو "نہ کرسی فلک" سے بھی اونچا پہونچا دینا کوئی بات نہیں۔ کسی فانی کو یا صنم کو، خدا کہنے میں بھی باک نہیں (پہلے دعویٰ خدائی اس بت کافر کو تھا۔ کچھ درستی پر جو آج آیا تو انساں ہوگیا) وہی شخص جو یہ کہتا ہے :- ع

پہونچا جو آپ کو تو میں پہونچا خدا کے تئیں ۔۔۔ معلوم اب ہوا کہ بہت میں بھی دور تھا

کبھی "ترک اسلام" کرکے دیر میں بھی بیٹھ جاتا ہے اور "قشقہ" بھی کھینچ لیتا ہے۔ ایک فرد تو کسی طفل آتش پرست کے اس ریمارک پر کہ :-

در طوف حرم دیدی؟ وی مغبچۂ گفت ۔۔۔ کایں خانہ بدیں خوبی آتشکدہ بایستے

در پردہ تائید و تصدیق بھی کر جاتا ہے اور ایک دوسرا فرد اسی گروہ کا، تین سو ساٹھ بتوں کے پوجنے والوں کو فلسفۂ توحید یوں سمجھاتا ہے کہ :-

کثرت میں اگر وحدت کا راز نہ سمجھے ہو ۔۔۔ دیکھو کہ جہاں بت تھے کعبہ نظر آتا ہے، وغیرہ

اگرچہ سلسلۂ سخن میں اصل مبحث سے بہت ہٹ گیا مگر یہ بھی گوارہ تھا کہ بے ساختہ جو کچھ زبان قلم پر آگیا ہو اور ہو بھی وہ حکایت لذیذ، تو پھر اس کو دراز تر کیوں نہ کیا جائے۔ میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ وہ فرقہ جو اکثر و بیشتر وحی، القا، الہام (شاعری) سے بھی ممتاز ہوتا ہے بلکہ بلا توسط ملائک، مدرسۂ حقیقت و عرفان میں استاد ازل کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کرتا ہے (کہ الشعراء تلامیذ الرحمن) باوجود اس شرف کے وہ "ہر مذہبا" اور "لا مذہبا" فرقہ بھی ہے۔

تیسری تمہید غالب حد درجہ کا ظریف تھا۔ مولانا حالی لکھتے ہیں کہ "اگر انکو بجائے حیوان ناطق کے "حیوان ظریف" کہا جائے تو بجا ہے"۔ ایک اور جگہ لکھتے ہیں :- چونکہ طبیعت نہایت شوخ واقع ہوئی تھی لہذا جب کوئی گرم فقرہ سوجھ جاتا پھر انسے بغیر کہے نہیں رہا جاتا تھا۔ خواہ اسمیں انکو کوئی کافر سمجھے، یا رند مشرب کہے، یا "بد مذہب جانے" (یادگار صفحہ ۸۶) آزاد لکھتے ہیں کہ :- ......
...میرزا کی شوخ طبع ہمیشہ انہیں اس رنگ میں شور بور رکھتی تھی۔ ..... انکے دوست ایسی باتوں کو سنکر چونکتے تھے۔ جوں جوں وہ چونکتے تھے میرزا اور بھی زیادہ چھینٹے اڑاتے تھے" انتہیٰ

چوتھی تمہید مرزا کو دو ڈھائی برس تک ایک ایرانی صحبت نصیب ہوئی تھی اسی کی تعلیم و صحبت کی برکت تھی کہ غالب ہندی نژاد فارسی زبان اور پارسیوں کے عقاید کا ایسا ماہر ہوگیا تھا کہ اپنے کو بالکل ایرانی سمجھنے لگا تھا۔ لباس بھی ویسا ہی بنا رکھا تھا، اب اسکو یہ خبط سوار ہونے لگا کہ زبان و لباس کے علاوہ عقاید بھی ایرانیوں کے سے ظاہر کرے مگر صرف برائے بیت!! چنانچہ ایک ایرانی بنکر کہتا ہے (بیا ورید گر اینجا بود زبان دانے - غریب شہر سخنہائے گفتنی دارد) ایک جگہ کہتا ہے کہ :-

(فرشتہ! معنیٔ مَن رُنگ، نمی فہم - من بگوے کہ غالب بگو "خدائے تو کیست")ایک جگہ ژند - پاژند کی قسم کھائی ہے - ایک پوری غزل میں آتش پرست اور مجوسیوں کے عقاید بیان کر گیا ہے (اَبرِ شَم گزار ے زمزم سرائے)۔ ظاہر ہے کہ غالب "غریب شہر" تو نہ تھا اور وہ جانتا تھا وہ "مَن رُنگ" کے معنے بھی یقیناً جانتا تھا - وہ ژند و پاژند کو ہرگز قرآن کا درجہ نہیں دیتا تھا کہ اسکی قسم درست ہو سکے - اُس نے کبھی جھاؤ کی لکڑیوں سے آگ کی پرستش نہیں کی تھی کہ وہ ان امور سے واقف ہوتا۔ ایسی حالت میں اُسنے ایرانیوں کیطرح منقبت مرثیے - نوحے سلام کہے - حبِ علی میں توغل دکھایا۔ شیعیت ظاہر کرنے لگا جو محض برائے بیت تھا۔ ورنہ اگر کلام کے ظاہر مدلول پر اور الفاظ کے بدیہی مفہوم پر مذہب کا فیصلہ کیا جاتا ہے تو براہِ کرم محمد حسین آزاد کی ذیل کی تحریر پڑھکر غور فرمائیے کہ وہ مسلمان تھے یا کوئی آتش پرست:۔

سخندان فارس حصہ دوم - پہلا لکچر صفحہ ۱۲ پر لکھتے ہیں "ساڑھے چار سو برس کے بعد ریگستان عرب سے ایک آندھی اٹھی - اس کے پیچھے گرجتا بادل بجلی چمکاتا تھا خلاصہ یہ کہ ساسانی سلطنت کا اقبال شمشیر اسلام کی قربانی ہو گیا اور درفش کادیانی قادسیہ کی خاک پر سرنگوں ہوا - اللہ اللہ یہ وہی مبارک جھنڈا تھا ...... آج وہ ایسا گرا کہ پھر نہ اٹھا اور دیندار بہادروں میں اس کے جواہرات اور موتی مٹھی مٹھی کھجوریں تھیں کہ بٹ گئیں - عالیشان آتش خانے ڈھائے گئے - انکی نورانی آگ، خاک کے نیچے دب کر رہ گئی - دینی اور دنیاوی کتابیں ورق ورق اڑیں اور جل کر خاک در خاک ہو گئیں - اسوقت میرے پارسی بھائی وہاں سے بھاگے اور جانوں کے ساتھ ایمان بھی بچا لائے" الخ

آزاد کی عبارت میں سحر اور نظر بندی عام ہے ذرا دسحر کر کے دیکھئے "... گرجتا بادل بجلی چمکاتا تھا" کے بعد "خلاصہ یہ کہ ساسانی ...." کا پیوند کیا بتاتا ہے، اور آزاد کی نفسانی تحریریں کس طرح اس بے ربط تحریر سے کھل جاتی ہیں - پہلے جملہ میں اسنے اتنا ہی کہا ہے کہ عرب سے گرجتا چمکتا بادل اٹھا اس کے بعد ہی خلاصہ یہ ہے کہ الخ خدا جانے کونسا مفصل امر بیان کیا تھا کہ جسکا خلاصہ ان دو بیجھے الفاظ میں خود کیا کہ ساسانی سلطنت کا اقبال شمشیر اسلام کی قربانی ہو گیا۔ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ریگستان عرب کو بہت کچھ کہنا چاہتا تھا مگر اسکا اسلام ظاہری اور دنیا کا خیال اسکو روک رہا ہے - یا پہلے بہت کچھ لکھا ہو گا پھر اسکو کاٹ دیا ہو گا جس سے عبارت بے ربط ہو گئی - اگر نفس کا چور اسمیں پوری طرح نہیں تو آگے ظاہر ہو گیا، سچ ہے وہ آگ آزاد کے لئے بھی نورانی تھی جسکا ماتم ان الفاظ میں کیا گیا ہے اور اسلام کے ردیہ کو بہت زور لگا کر دکھایا گیا ہے، آخر میں پارسی قوم کو اپنا بھائی بنا ہی دیا اور ان کے ایمان کو اپنا ایمان مان ہی لیا - غور کیجئے کس قدر درد انگیز لہجہ میں نوحہ و بکا و ماتم کیا ہے اور اگر رونا نہیں آ رہا ہے تو رونے کی صورت ہی بنائی گئی ہے اسکو بھی جانے دیجئے - جرمنی کے ادبار میں گوئٹے کافی شہرت رکھتا ہے - اُسنے ہرڈر مشہور جرمنی مصنف کی تربیت و صحبت پا کر ایک دیوان جرمن زبان میں لکھا، جسمیں مشرق کے تخیل رنگین سے فائدہ اٹھایا ہے بلکہ اسکی نقل و ترجمانی کی ہے اور خواجہ حافظ و سعدی کے کلام و تخیل کو اپنے ہاں منتقل کیا ہے، اسکا نام "دیوان مغربی" رکھا جو سب سے پہلے سنہ ۱۸۱۹ء میں شایع ہوا - اسکی دیکھا دیکھی پھر متعدد صاحبانِ ذوق مثل پلاتن - روکرٹ - ہائنا نے اسی کی پیروی کی تو مشرقی تخیل کی تتبع میں اپنے ملک کی زبان میں دیوان لکھے

ساقی نامہ۔ مثنی نامہ۔ قصہ محمود و ایاز سبھی کچھ لکھا۔ ہاروت و ماروت کا قصہ بھی لکھا حتیٰ کہ ایک شاعر مسمی بوڈن سٹاٹ نے تو مرزا شفیع کا نام اختیار کر کے مشرقی تخیل پر بہت کچھ طبع آزمائی کی ہے۔ دور کیوں جاتیے، رسالہ اُردو ماہ اکتوبر ۲۷ء میں ایک مضمون پروفیسر براؤن پر نکلا تھا۔ اسمیں انکی ایک تصویر ایسی بھی تھی کہ وہ ایرانی لباس پہنے حقہ ہاتھ میں لئے بیٹھا ہے۔ اس لباس و شکل پر بیچارہ پروفیسر براؤن انگریزی نام کیا پھبتا لہذا "اہل طریقت" نے (اگر آزاد ہوتے تو "اہل راز" ہی لکھتے) مظہر علی نام بھی دھر دیا۔ پروفیسر یقیناً فارسی زبان جانتا تھا اور ایک مستشرق السنۂ مشرقیہ جیسا کچھ ماہر ہوتا ہے ویسا ہی وہ تھا۔ پروفیسر مذکور نے جب ظاہری وضع محض تالیف قلب کے خاطر بدل دی تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اس نے ایرانی عقاید تالیف قلوب میں چھوڑ دیتے ہونگے۔ بہر حال گویہ تمہید طویل ہو گئی مگر میں سمجھتا ہوں کہ اب یہ بات واضح ہو گئی ہو گی کہ جب کوئی شخص جو بد قسمتی سے اپنے قومی معتقدات کا زیادہ پابند نہو۔ دوسرے کی زبان اختیار کرتا ہے تو اپنے کلام میں زور پیدا کرنے کے لئے یا اپنے کلام کو بھی ٹکسالی شخص کے کلام کیطرح ظاہر کرنے کے لئے کیا شکل و صورت کیا وضع و قطع میں کیا مذہب و عقیدہ میں کیا زبان و زبان میں غرض ہر چیز میں بالکل ویسا ہی خود بھی بجاتا ہے۔

ان تمہیدوں کو پیش نظر رکھئے اور اسباب تشیع کے جوابات علی الترتیب سنئے:۔

۱۔ مرزا کے اقوال و اشعار جن سے تشیع مترشح ہے۔ تمہیدوں سے معلوم ہو گا کہ غالب صوفیانہ مذاق رکھتا تھا اور مثل صوفیہ وہ بھی حضرت علی کو ولی نعمت جانتا تھا۔ دوسرے وہ فطری شاعر تھا اور نئے مضمون کی تلاش میں ادھر ادھر بھٹکتا پھرتا تھا غرض شاعرانہ مبالغہ نے جس سے چارہ نہ تھا جب غلو بہ عقیدت علی سے ترکیب پائی تو وہ شکل سامنے آئی کہ سبھوں نے اُس کو شیعہ۔ نصیری، اور کیا کیا سمجھا۔

(۲ الف) رہا ۱۲ کا عدد ہر جملہ کے بعد لکھنا تو عربی کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ شروح و حواشی میں مطالب کے ختم پر اکثر ۱۲ لکھا رہتا ہے جو لفظ "حد" کے اعداد ابجدی ہیں۔ اور خود لفظ "حد" یوں نہیں لکھا جاتا کہ کہیں لوگ اسکو جز عبارت نہ سمجھ لیں۔ غرض ۱۲ کا عدد لکھنا ایک عام رسم قدیم سے چلی آتی ہے، مگر ظرافت مآب غالب کی شوخی و زبردستی ملاحظہ کیجئے کہ اسکی کیا خوب توجیہ اور کیا حسن تعلیل کی ہے۔

(ب) حضرت علی کو امام من اللہ ماننا۔ جواب میں تمہید اور ۲ دیکھئے تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ ایک شخص نے ان کو شراب پینے سے منع کیا تھا۔ طبع انسانی کا خاصہ ہے کہ نصیحت ناگوار گذرتی ہے نہ کہ غالب، جیسے خود پسند و خود نما کو۔ ایک دفعہ "مولانا حالی" نے مرزا سے نماز پڑھنے کیلئے کہا تو دل کھول کر انکو صلواتیں سنائیں کہ، بس منہ دھو رکھئے کہ آپکو مولانا کا خطاب مل سکیگا، وغیرہ (یادگار صفحہ ۸۴) ان بیچارہ کی شامت جو آئی اور شراب جیسی پیاری چیز سے مرزا کو روکنا چاہا بس پھر کیا تھا لگے ان کو بھی بھوگ سنانے۔ وہ بگڑ بگڑ کر جواب لکھا ہے کہ جس کا بیان نہیں۔ جہاں آ سنے اور سخت سخت جملے غصہ اتارنے اور انکو چھیڑنے کو لکھ مارے ہیں وہاں ظرافت مآب کو "یقولون مالا یفعلون" کے طور پر اسکے کہدینے میں کیا باک تھا۔

ج) مرتے وقت علی کہنے کی تمنا۔ اسکے جواب میں اگر سخن پروری اور تاویل بارد کا الزام نہ دیا جائے تو خود غالب ہی کے دو شعر پیش

گرددں کر وہ خود اس لفظ کو کیا لکھتے ہیں اور کیا سمجھتے ہیں (مثنوی ابرگہربار)

نیاساید اندیشہ جز با علیؑ	زاسما نیندیشم الا العلی
بلندم بہ دانش نہ پستم ہمی	بایں نام یزداں پرستی ہمی

یعنے اللہ کا نام بھی تو علی یعنے بلند و برتر ہے اسلئے میں علی علی کہکر خدا کو یاد کرتا ہوں گویا مشغولِ حق ہوں بندگی بوتراب میں (دوسرا مطلب کہ علیؑ کو میں خدا مانتا ہوں اسکا وہ ہرگز قائل نہیں کیونکہ اسی مثنوی میں آگے چلکر کہا ہے (خدا ایش روا نیست ہرچند گفت الخ)

(د) اسد اللّٰہی و انا اسد اللہ: - تمہید نمبر ا و ۲ و ۴ دیکھئے - مگر اسکا ایک جواب اور بھی ہو سکتا ہے کہ میرزا ان الفاظ کو اپنے نام سے مشابہ اور مشتق دیکھکر کبھی تو اپنے کو نصیری بتلانے لگتے ہیں اور کبھی منصور حلاج کے "انا الحق" کا جواب قایم کرنے لگتے ہیں - وہ تو دراصل انا اسد اللہ اور اسد اللہ الغالب یا اسد اللّٰہی کہہ کہکر دربردہ خود پسندی بلکہ خود پرستی کرتے ہیں اور اپنا نام لے لے کر خوش ہوتے ہیں مشہور ہے کہ اکبر بادشاہ نے بھی اپنے دربار کا سلام "اللہ اکبر" اور جواب سلام "جلّ جلالہٗ" صرف اسلئے رکھا تھا کہ ان دونوں فقروں میں اسکا پورا نام جلال الدین اکبر آجائے اور وہ سنکر خوش ہو -

۲ - مرزا کا صرف حضرت علی کی شان میں قصاید کہنا - جواب کیلئے پہلے تو دیکھئے تمہید نمبر ا خصوصاً اور تمہید نمبر ۲ - لیکن اس امر کے بعض وجوہ اور بھی ہیں جو درج ذیل ہیں: -

ا - مرزا کو دین کی کسی بات سے خصوصیت کے ساتھ واسطہ نہ تھا - اسنے تاریخ پڑھی تو ادھر اُدھر کے - مدح خلفا کی تو ویسی ہی مجمل - اس صورت میں اگر اسنے مدح خلفا بہ تفصیل نہ کی تو کیا الزام کی بات ہے؛ صفحات تاریخ میں کتنے ہی لوگ آپکو اس طبیعت کے نظر آئینگے جنھوں نے کسی کا نام نہیں لیا ابو الطیب متنبیّ عربی کا ایک مشہور، پرگو مسلم شاعر گزرا ہے اسنے ہزاروں پرزور قصائد کہے اور تمامتر سلاطین عہد اور ارباب دول کی مدح میں - اور غرض تھی صرف جلب منفعت اور حصولِ زر - اُسنے کہیں پیغمبر اسلام تک کا نام نہیں لیا تو بھلا صحابہ کا کیا ذکر - حضرت صالح اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کا نام صرف ایک ایک جگہ لیا ہے اور وہ بھی اس لئے کہ نعوذ باللہ اپنے کو کسی حیثیت سے انکے برابر ٹھہرانا مقصود تھا چنانچہ اس کو متنبی کہنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی - کہتا ہے: -

۱	مَا مُقَامِی بِأَرضِ نَخلَۃَ اِلَّا	کَمُقَامِ الْمَسِیحِ بَیْنَ الیہود

(ترجمہ) سرزمین نخلہ میں میرا وجود ایسا ہے، جیسے یہودیوں میں حضرت عیسیٰؑ کی ذات -

۲	اَنَا فِی اُمَّۃٍ - تَدَارَکَھَا اللّٰہُ	غَرِیْبٌ کَصَالِحٍ فِی ثَمُود

(ترجمہ) میں اس قوم میں - اللہ اسکی اصلاح کرے - ایک پردیسی ہوں ہوں جیسے قوم ثمود میں حضرت صالحؑ -

اس صورت میں بیچارہ غالب پر کیا الزام جب اسنے حضرت علی کو تو بجد اور بقیہ صحابہ کو بھی دو چار جگہ یاد کرلیا ہے - (نیمروز میں بعد حمد و نعت) "ہر اختر بریں آسماں نور دیدۂ آفتابست و ہر گل دریں بوستاں جگر گوشۂ بہار، ہمہ بہ ہمزبانی کلیم ارنی گوئے، و ہمہ بہ ہمدمی مسیح قم باذنِ اللہ سرائے،" (تقریظ دیوان حافظ میں بعد حمد و نعت) بہ راستی جانشینانش را از ایزد بخشائش گر دردار مغانی،

دبہ درستی آئین گزینیانش رابہشتِ جاوید ارزانی" بھلا ہو بیچارہ غالب کا کہ جانشینانِ رسول پر (بہ صیغۂ جمع بلا استثناء) درود بھیجا اور انکو مستحقِ بہشت تو لکھتا ہے۔ ہر صحابی کو ہمسرِ آفتاب اور ہر گل کو رونقِ بہار تو مانتا ہے اور کہیں کسی صحابی کو برائی سے تو یاد نہیں کرتا۔

(ب) میرزا غالب مصائبِ زمانہ کے شکار اور تنگی و عسرت میں گرفتار تھے۔ ایسا شخص قدرتاً سوز و گداز۔ رنج و غم کا بیان زیادہ زور کے ساتھ کر سکتا ہے خود اسکی طبیعت ہی ایسے مضامین کیطرف مائل و راغب رہتی ہے اور ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ایسے مضامین تلاش کرلاتی ہے، تاریخ اسلام میں شہادتِ علی اور شہادتِ حسنین رض ایک اہم اور مسلسل ٹریجڈی تھی ادھر حُبِّ اہلبیت جزوِ ایمان بھی ہے پھر ایک اسلامی فرقہ اس طرف ہمہ تن مصروف بھی نظر آیا۔ لہٰذا مرزا کو اپنا زورِ طبع خرچ کرنے کیلئے یہی میدان پسند آیا۔

یہاں ایک کام کی بات اور سن لیجئے :۔ ایک طالب علم نے اپنے استاد سے پوچھا کہ حضرت! انصاف سے فرمایئے کہ غالب کا "سہرا" بڑھکر ہے یا ذوق کا۔ دنیا کا تو یہ حال ہے کہ جو ذوق کے طرفدار ہیں وہ ذوق کے سہرے کو فوق دیتے ہیں اور جو غالب پرست ہیں وہ اسکے سہرے کو غالب بتاتے ہیں، اب آپ بتایئے فیصلہ کیا ہے" بیچارہ نے کتنا اچھا اور دل کو لگتا ہوا فیصلہ کیا ہے، کہنے لگے :۔ "بھئی سنو۔ سہرا شادی کے وقت کہا جاتا ہے جو خوشی کا موقعہ ہوتا ہے۔ غالب بیچارہ تو ہمیشہ گردشِ زمانہ سے شاکی، حرماں نصیب اور دل شکستہ رہا۔ وہ خوشی کے مضامین کیا اچھے باندھ سکتا۔ ایک غمگین شخص سے کہو کہ ہنسو بھلا وہ کیا ہنسے گا منہ البتہ چڑھا دیگا۔ حق یہ کہ ذوق کا سہرا دو وجہ سے بڑھ گیا ہے ایک تو یہ کہ ذوق نے غالب کا سہرا دیکھ لیا تھا اور مقابلہ میں ترقی کرنیکا قصد کر کے لکھا تھا دوسرے یہ کہ وہ مطمئن بے فکر اور فارغ البال تھا۔

(ج) ایک بڑی وجہ یہ بھی ہوئی کہ بہادر شاہ کی ایک بیگم نواب زینت محل خود بھی شیعی المذہب تھیں اور درباری شعرا میں وہ مرزا غالب کو زیادہ مانتی تھیں (چنانچہ انہیں کے ایما سے مرزا غالب نے قبل از وقت شاہزادہ جواں بخت کی شادی میں سہرا کہہ کر گزرانا تھا) مرزا جیسے بے فکرے اور آزاد منش بھلا کب ایسے موقعہ کو ہاتھ سے جانے دیتے، اس بارگاہ سے کبھی کبھی فتوحات کا بھی آسرا تھا، اسلئے تشیع ظاہر کرنا اور خود بھی پانچوں سوار بنجانا کیا بڑی بات بھی۔ اصل یہ ہے کہ جہاں کسی شخص کو ایسے اسباب یا احباب مل گئے جن سے گریز نہو اور ہر وقت کی ملاقات مختلف العقائد لوگوں کے ساتھ رہے تو دوسروں کے عقاید سے اپنے کو بچانا ناممکنات سے ہو جاتا ہے۔ خود بہادر شاہ اپنے ایک حجمان کی بدولت شیعہ ہو گئے تھے۔ اسکا بادشاہ کو بہت رنج ہوا فوراً اسکی تردید میں حکیم احسن اللہ خانصاحب سے اشتہارات و رسایل لکھوائے اور مرزا غالب سے ایک مثنوی (دمغ الباطل) لکھوائی اور شایع کرادی (یادگار صفحہ ۶۹۔ ۷)

اسی طرح خلیفہ ہارون الرشید کا بیٹا مامون الرشید، مسلّم ہے کہ سُنّی تھا۔ چنانچہ شیعہ مورخین نہایت جبر و اکراہ سے صاف صاف لکھتے ہیں کہ وہ سنی تھا اور اسکا شیعہ پن محض بناوٹی تھا۔ مگر اسکو ائمہ کی صحبت اور بچپن کی تعلیم و تربیت نے خاصہ شیعہ بنا رکھا تھا۔ بادشاہ ہو نیر فضل اور سہل (جو دونوں شیعہ تھے) اس کے دست و بازو تھے۔ ایکبار اس نے شیعہ پن کے جوش میں منادی کرادی تھی کہ "سب لوگ متعہ کو جائز سمجھیں" غرض اسی قسم کے بعض مُوہم اور مبہم اقوال کی بنا پر لوگ کھینچ تان کر اسکو شیعہ ثابت کرنا چاہتے ہیں اور اکثر سُنّی مورخین نے اسکو شیعہ لکھ ہی دیا مگر محققین اسکو صاف سنی لکھتے ہیں (المامون از شبلی صفحات ۱۶۰۔ ۱۶۳)

۳۔ مرزا کا طنز کرنا۔ غالب کا طنز کرنا اس سے بیش کچھ نہیں ہے کہ وہ حد درجہ کا ظریف تھا اور گرم فقرہ سوجھ جانے پر وہ پھر کچھ نہیں سوچتا تھا کیا ان ستاروں پر یہ جملہ نہیں کہا تھا "جو کام بے مشورہ کیا جاتا ہے وہ ایسا ہی بے ڈول ہوتا ہے" آتش کے حال میں آزاد نے لکھا ہے کہ اسنے کچھ دنوں تک برابر سنیوں جیسی نماز پڑھی اور کسی کے ٹوکنے پر کہدیا کہ مجھے کیا اب اسطرح ہاتھ کھول کر نماز پڑھ لیا کرونگا۔ مرزا دبیر کے مرثیہ کو سنکر اس نے کہدیا کہ یہ "کربلا کا بیان ہے یا لندھور بن سعدان کی داستان" کیا آپ کسی ایسے شیعہ کا تصور کر سکتے ہیں جو سنیوں اور شیعوں کی نماز کا فرق نہ جانتا ہو اور نہایت رواداری سے سنیوں جیسی نماز پڑھے یا مرثیہ جیسی مذہبی پر ایسا توہین آمیز ریمارک پاس کرے، یہ بھی طنز صریح ہے لیکن کیا تماشہ ہے کہ آزاد اسکو مزہ لے لے کر بیان کر گئے ہیں اور طنز کا شائبہ بھی نہیں آنے دیتے اور اسکی بنا پر آتش کو سُنی نہیں کہتے۔

۴۔ آزاد کی شہادت :۔ اس کے جواب میں آزاد ہی کی پوری تحریر درج کیجاتی ہے اور اسکا فیصلہ ناظرین کے انصاف پر چھوڑا جاتا ہے کہ آزاد کی تحریر سے غالب سُنی ثابت ہوتا ہے یا شیعہ (آبحیات طبع نہم صفحہ ۵۱۳) "مرزا کے تمام خاندان کا مذہب سنّت و جماعت تھا مگر اہل راز تصنیفات سے یہی ثابت ہے کہ انکا مذہب شیعہ تھا اور لطف یہ کہ ظہور اسکا جوش محبت میں تھا نہ کہ تبرا و تکرار میں۔ چنانچہ اکثر لوگ انہیں نصیری کہتے تھے اور وہ سنکر خوش ہوتے تھے۔ ایک جگہ خود بھی کہتے ہیں منصور فرقہ اسد اللہیاں الخ تمام اقربا اور حقیقی دوست سنت و جماعت تھے، لیکن انکی اپنایت میں کسی طرح کی دوئی نہ معلوم ہوتی تھی۔ مولانا فخرالدین کے خاندان میں مرید بھی تھے۔ دربار اور اہل دربار میں کبھی اس معاملہ کو نہیں کھولتے تھے اور یہ طریقہ دہلی کے اکثر خاندانوں کا تھا" انتہی خیر بعضوں (میرے خیال میں یہ صرف آزاد ہی کا اپنا خیال ہے جسکو بعضوں کر کے لکھا ہے) کا انکو نصیری کہنا اور اسپر غالب کا خوش ہونا تو برائے بیت ہے۔ مگر دیکھیے آزاد نے غالب کے متعلق اتنی باتیں لکھی ہیں :۔ (۱) غالب مولانا فخرالدین کے خاندان میں مرید تھے ہمنے تو معتبر ذریعہ سے سنا ہے کہ حضرات شیعہ میں نہ کوئی درویش و صوفی ہوتا ہے نہ کوئی کسی کا مرید۔ (۲) تمام اقربا ماں باپ، اور دوست احباب سُنّی تھے (۳) آزاد کے نزدیک انکا تشیع "اہل راز" سے ثابت ہے (تصنیفات یا اقوال کو جانید یجیے کیونکہ انکی حقیقت اس مضمون سے واضح ہو جائیگی) سچ ہے شیعیت ایک راز ہے اور صرف "اہل راز" ہی اس سے واقف ہو سکتے ہیں مگر معلوم نہیں شیعیت کے کھلم کھلا اظہار سے کون سا امر مانع تھا اگر بادشاہ کا ڈر تھا تو کیا دربار میں شیعہ درباری نہ تھے۔ اور غالب تو بادشاہ اور بادشاہت کے بعد بھی رہے ہیں آخر اسوقت کونسا امر مانع تھا۔ (۴) آزاد کے نزدیک غالب کا تشیع جوش محبت میں تھا نہ کہ تبرا و تکرار میں۔ واقعی سچ کہا ہے غالب کو حضرت علیؓ اور حسنینؓ سے محبت تھی عشق تھا بہ سبب صوفی المشرب ہونے کے۔ پھر وہ تبرا و تکرار میں کیوں پڑتا۔ شیعہ ہوتا تو اسمیں پڑتا۔ مگر آگے کی عبارت کچھ عجیب گو مگو سی ہے۔ "(۱) اس معاملہ کو اہل دربار پر نہ کھولتے تھے (۲) یہی حال دلّی کے اکثر خاندانوں کا تھا" الخ۔ معلوم نہیں کس معاملہ کو وہ دربار میں نہ کھولتے تھے۔ اگر شیعہ ہونیکی طرف اشارہ ہے تو خدا جانے اہل راز سے بات پھوٹ کر کیسے بادشاہ اور درباریوں کو اسکا حال معلوم ہو گیا۔ چنانچہ بادشاہ نے پوچھا تو مرزا نے رفض و شیعیت سے تبرا بھی کیا (آگے بحوالہ مولانا حالی آئے گا) اور اگر مرید ہونیکی طرف اشارہ ہے تو خدا جانے غالب نے کیوں اسکو بھی "اہل راز" ہی کے

واقف ہونیکے لئے بیچار کھاتا مگر انکے مرید ہونیکے کو بھی ایک دنیا جانتی تھی۔ خطوط میں لوگوں کو خود انہوں نے لکھا۔ اور نہ یہ معلوم ہوا کہ دلی کے کن خاندانوں (شیعہ یا سُنّی یا ہنود) کا کیا حال تھا؟ اور وہ کون کون سے خاندان تھے؟ مگر اچھا کیا ان لوگوں کا حال اور نام نہ بیان کیا ورنہ گرفت ہوتی۔ ذرا آزاد کی کوشش تو دیکھئے کہ سارے خاندان ودوست واپنایت کو سنی لکھکر کس طرح غالب کو "اہل راز" صادق القول کی شہادت پر شیعہ ثابت کرنا چاہتے ہیں مگر چونکہ صاف صاف شیعہ ثابت ہوتے نظر نہیں آتے اس لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاکر چپ ہو رہتے ہیں، یہ تھی آزاد کی عبارت مع مختصر نوٹ کے۔ کیا انہیں الفاظ وبیان سے (جنکی تحلیل کے بعد بجز تسنن کے اور کچھ ہاتھ نہیں آتا) میرزا غالب کو شیعہ کہدیا جا سکتا ہے

نمبر ۱۔ دلائل تشیع کے جوابات تو ختم ہوئے لیکن غالب ہی کے تذکرہ میں آزاد کی دروغگوئی کی دو بین مثالیں اور بھی ہیں۔ مقام و موقع اس امر کا مقتضی ہے کہ اسکا ذکر بھی کر دیا جائے (آبحیات۔ صفحہ ۵۲۸) "بعض شاگردوں نے مرزا سے کہا کہ آپنے حضرت علی کی مدح میں تو بہت سے اور بڑے زور کے قصائد لکھے ہیں مگر صحابہ میں کسی کی تعریف میں کچھ نہیں کہا" مرزا نے بعد تامل فرمایا "ان میں کوئی ایسا دکھا دیجئے تو اسکی تعریف بھی کر دوں" یہاں پہونچکر آزاد نے ایک قابل غور حاشیہ بھی لکھا ہے کہ "یہ لطیفہ کئی شاعروں کی طرف منسوب ہے" اگرچہ غالب کی ظرافت سے یہ لطیفہ کچھ بعید نہیں معلوم ہوتا مگر اس روایت میں آزاد منفرد ہیں۔ مولانا حالی جو غالب کے محتتم سوانح نگار ہیں اس بارہ میں بالکل ساکت ہیں حالانکہ انہوں نے نہایت ایمانداری سے غالب کے کفر والحاد ثابت کرنیوالے لطیفے بھی درج کر دئے ہیں اسکو بھی جانے دیجئے۔ آزاد جانتا ہے کہ مرزا نے اگرچہ بجز حضرت علی کے کسی اور صحابی کی ایسی تعریف نہیں کی مگر حیلۂ صریحۂ بھی کبھی اسنے خلفائے ثلاثہ یا بقیہ صحابہ کی ہتک واہانت نہیں کی۔ کیونکہ اگر کوئی کسی سے دوستی نہ ظاہر کرے تو اسکے یہ معنے ہرگز نہیں ہیں کہ وہ دشمن بھی ہے ممکن ہے کہ اس کے دل میں خیال تو ہو مگر محبت کے درجہ تک نہو اور دوستی ودشمنی دونوں پہلو سے پاک ہو۔ پس آزاد خود متردد تھا کہ اتنی سخت بات آسانی سے غالب کے ساتھ کون منسوب کریگا لہذا فوراً دلی خدشہ زبان قلم سے پھوٹ بہا اور ایک دھوکے میں ڈالدینے والا جملہ قلم سے نکلا کہ اگر غالب کے بارہ میں یہ لطیفہ نہ مانا جائے تو ہم کہدینگے کہ فلاں فلاں شاعر کا ہے کیونکہ "کئی شاعروں کیطرف منسوب ہے"۔

نمبر ۲۔ اسی کے آگے آزاد نے عبارت کتاب میں ایک ریمارک کیا ہے جو "علیٰ زعم آزاد" غالب کو سنی ثابت کرتا ہے سنئے "۔۔۔مرزا کی شوخی طبع ہمیشہ انہیں اس رنگ میں شور بور رکھتی تھی جس سے ناواقف لوگ انہیں الحاد کی تہمت لگائیں، اور چونکہ یہ رنگ انکی شکل وشان پر عجیب معلوم ہوتا تھا اس لئے دوست ایسی باتوں کو سنکر چونکتے تھے۔ جوں جوں وہ چونکتے تھے مرزا اور بھی زیادہ چھیڑتے اڑاتے تھے" انتہیٰ۔ لیجئے آزاد تو صاف صاف لکھتا ہے کہ غالب اپنی شوخی وظرافت سے اس قسم کے کلمات کہدیا کرتے تھے اور زیادہ تر لوگوں کے چھیڑنے اور چھینٹے اڑانے کیلئے (اسکی کھلی ہوئی مثال آجکل کے انگریزی داں طبقہ کی باتوں سے بہ آسانی سمجھی جا سکتی ہے) واضح ہو کہ اگر کوئی شخص شیعہ ہو یا ملحد ہو اور تشیع والحاد کے کلمات کہے تو اسکو شوخی نہیں کہتے وہ تو واقعیت ہے شوخی وظرافت تو اسکا نام ہے کہ اپنے مذہب وعقیدہ کے خلاف اور واقعیت واصلیت کے خلاف کوئی بات کہی جائے۔ !!! اب کیا

آپ آزاد جیسوں سے اس سے زیادہ وضاحت کی امید کرتے تھے!! آخر ادبر کے لطیفہ کے بعد ہی شوخی ظرافت، الحاد (یا شیعیت) کی تہمت، چھینٹے اڑانے، وغیرہ ریمارک پاس کرنے کے اگر یہ معنی نہیں تو اور کیا معنے ہیں؟ اللہ آزاد کا بھلا کرے کہ اس نے تو مرزا کے کفریہ کلمات پر ریمارک کیا تھا مگر اس کے قلم سے یہ ریمارک نکلا تو اس لطیفے کے بعد۔ لہذا لوگوں نے اسکا صحیح مطلب اخذ کیا اور آزاد کی روح کو دعا دی۔

نمبر ۳۔ مرزا غالب نے ایک خط میر مہدی مجروح پانی پتی کو لکھا تھا جو اردوے معلیٰ میں بھی موجود ہے۔ آزاد نے آبحیات صفحہ ۵۱۲ پر اسے نقل کر کے ایک حاشیہ چڑھایا ہے "میر مہدی۔ تم میری عادت بھول گئے۔ ماہ مبارک رمضان میں کبھی مسجد جامع کی تراویح ناغہ ہوئی ہے؟ پھر میں اس مہینے میں رامپور کیونکر رہتا؟ نواب صاحب مانع رہے برسات کے آموں کا لالچ دیتے رہے مگر بھائی میں ایسے انداز سے چلا کہ چاندرات کے دن یہاں آپہونچا۔ یکشنبہ کو غرہ ماہ مقدس ہوا۔ اسی دن سے ہر صبح کو حامد علیخاں کی مسجد میں جاکر جناب مولوی جعفر علی صاحب سے قرآن سنتا ہوں۔ شب کو مسجد جامع میں جاکر نماز تراویح پڑھتا ہوں۔ کبھی جو جی میں آتی ہے تو وقت صوم مہتاب باغ میں جاکر روزہ کھولتا ہوں اور سرد پانی پیتا ہوں۔ واہ وا کیا اچھی طرح عمر بسر ہوتی ہے۔ اب اصل حقیقت سنو لڑکوں کو ساتھ لے گیا تھا وہاں انہوں نے ناک میں دم کر دیا۔ ...... اس سبب سے جلد چلا آیا"۔ اس خط کے اس جملہ پر کہ (واہ واہ کیا اچھی طرح عمر بسر ہوتی ہے) آزاد کا حاشیہ سنئے۔ لکھتے ہیں "غرہ رمضان سے لیکر یہانتک فقط شوخی طبع ہے کیونکہ جو جو باتیں ان فقروں میں ہیں مرزا ان سے کوسوں بھاگتے تھے اور یہ خط غدر کے بعد کا ہے۔ اسوقت یہ باتیں دلّی میں خواب و خیال ہوگئی تھیں" اگر آزاد صرف اسی قدر لکھتا کہ ان باتوں سے مرزا کوسوں دور تھے، تو خیر کچھ مضایقہ نہ تھا۔ واقعی وہ کوسوں دور تھا۔ مگر واضح رہے کہ غالب، ایک رند پارسا اور آزادِ بے ریا تھا۔ بقول حالی اسے بے ریائی تھی زہد کے بدلے۔ زہد اسکا اگر شعار نہ تھا۔ اس نے کبھی گناہوں کے اقرار میں ننگ و درنگ نہیں کیا وہ شتیا دو کیا دنہ تھا کہ اپنے کو عابد و زاہد لکھتا۔ وہ اپنے کو جیسا ظاہر کرتا تھا ویسا ہی سیرت میں بھی تھا۔ وہ اس طبیعت کا ہرگز نہ تھا کہ نماز و تراویح نہ پڑھتا۔ روزہ نہ رکھتا مگر اپنے کو تراویح کا پابند جھوٹ لکھدیتا۔ یہ سچ ہے کہ اسنے روزے بہت کم رکھے اور نمازیں بہت کم پڑھیں۔ اور یہ بھی غلط نہیں کہ وہ رمضان مبارک میں شطرنج و چوسر کھیلتا اور شرط بد کر کھیلتا، لیکن یہ بھی ناممکن نہیں کہ اس ماہ مبارک کی برکتیں کسی گناہ گار کو اپنی طرف کھینچکر روزے رکھوادیں اور نمازیں پڑھوادیں چنانچہ ہر سال رمضان میں تجربہ ہوتا ہے کہ عمر بھر جو روزہ و نماز سے بیگانہ رہتا وہ بھی نماز و روزہ کا پابند بنجاتا ہے۔ غرض غالب بیچارہ تو بلا جبر و اکراہ بحالتِ ثبات عقل و درستی ہوش لکھ رہا ہے کہ "میں تراویح پڑھتا ہوں" آزاد کہتے ہیں کہ نہیں۔ غلط ہے؟ مدعی سست گواہ چست!! اور آگے تو کمال ہی کیا کہ (یہ خط غدر کے بعد کا ہے۔ اسوقت یہ باتیں دلّی میں نہیں رہ گئی تھیں) اس جملہ پر تو ہنسی کے مارے میری حالت خود غالب ہی کیطرح ہو رہی ہے، جیسا انہوں نے منشی غلام غوث بیخبر کو کسی خط میں لکھا ہے کہ "تمہارا فلاں جملہ پڑھوں اور اتنا ہنسوں کہ پیٹ میں بل اور آنکھوں سے آنسو آجائیں" کیوں صاحب کون سی چیز دلّی میں بعد غدر نہیں رہ گئی تھی؟ ۔ دلّی کی جامع مسجد؟ یا حامد علیخاں کی مسجد؟ یا قرآن رہگیا تھا،

یا حفاظِ قرآن موجود نہ تھے؟ یا ماہ رمضان المبارک۔ تراویح پڑہنا اور سننا ختم ہو گیا تھا؟ یا روزہ کا فریضہ بعد غدر دلی میں نہ رہگیا تھا؟ غالب نے اس تحریر میں تو انہیں چیزوں کا تذکرہ کیا ہے آخر انہیں سے کونسی چیز نہ رہگئی تھی؟ مگر یہ تمام چیزیں (باستثنا تین چیز و نکے) تو حشر تک روے زمین پر رہیں گی شاید آزاد کا اسپر ایمان نہیں!! ہاں وہ تین چیزیں تو ممکن ہے کہ بعد غدر دلی میں نہ بچی ہوں، ایک مولوی جعفر علی خود۔ دوسرے مہتاب باغ۔ تیسرے حامد علیخاں کی مسجد (کیونکہ مسجد جامع تو آجتک وہی باقی ہے) لیکن واضح رہے کہ میں نے "ممکن" کی شرط کیساتھ کہا ہے۔ غالب جبیر یہ سب باتیں گذری ہیں وہ تو لکھتا ہے کہ یہ سب چیزیں ہیں اور میں اُنسے بہرہ اندوز ہوتا ہوں اور آزاد کہتے ہیں کہ موجود نہیں۔ جسکا ثبوت اب ان لوگوں کے ذمہ ہے جو آزاد کے ارادتمند ہیں حقیقت یہ ہے کہ آزاد نے بھی غضب کی دیدہ دلیری سے کام لیا کہ غالب کے لہجہ اور انداز بیان پر بھی غور نہیں کیا۔ وہ لکھتا ہے "تم میری عادت بھول گئے" ، ایسے انداز سے چلا کہ چاندرات کے دن یہاں پہونچا" عادت ایک مرتبہ کے کرنے کو تو کہتے بھی نہیں، معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسپر متواتر کئی سال کاربند رہا ہے جو "تقیہ" کا کام کبھی نہیں ہو سکتا۔ اور وہ لکھتا بھی ایسے شخص کو ہے جو اسکی عادت سے واقف ہے۔ اسکے علاوہ اگر لڑکوں کو گھر پہونچانا ہی مقصود تھا تو ٹھیک اسی دن جب چاند نکلنے والا تھا دلی پہونچنے کے کیا معنے؟ آخر یہ التزام کچھ معنے رکھتا تھا!! لیکن شاید آزاد کو غالب کے اس فقرہ سے دھوکہ ہوا ہے کہ "...... اب اصل حقیقت سنو۔ لڑکوں کو ساتھ لے گیا تھا...... الخ۔ اس سے وہ یہ سمجھا ہوگا کہ غالب نے ابتک تو تقیہ کی باتیں کی ہیں، اب اصل حقیقت لکھ رہا ہے۔ بس اتنی گنجایش پاکر اسنے فوراً ہی حاشیہ چڑھا دیا کہ لاؤ سرے سے تراویح پڑہنے ہی کی شہادت کو غلط یا مشتبہ کر دوں۔ "بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است" آزاد کو کہاں سے پاؤں جو سمجھاؤں کہ بھیا! گو چھوٹا منہ بڑی بات ہے کہ میں آپکو زبان و محاورہ بتاؤں مگر کیا کروں مجبوری ہے۔ سنئے یہ بھی ایک محاورہ ہے جب ایک بات ختم کر کے کوئی دوسری بات اہم اور ضروری بیان کرنی ہوتی ہے تو یہ اور ایسے کلمات لوگ لکھدیا کرتے ہیں مثلاً "اب اور سنو۔ ایک لطیفہ سنو۔ ادھر کی سنو۔ اصل سنو۔ معاملہ کی بات سنو۔ انصاف کی بات سنو" اور انکا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ ایک اور اہم بات بھی ہے۔ اگر کہیں ایسے محاورے اور جملے آپکو نہ ملیں تو غالب ہی کے رقعات غور سے پڑھ لیجئے پچاس جگہ ملجائیں گے۔ ایک خط کے بیچ میں غالب لکھتا ہے "میاں لڑکے سنو" ایک جگہ لکھتا ہے "سنو غالب! رونا پیٹنا کیسا کچھ اختلاط کی باتیں کرو"

واہ رے آزاد! یہ ہے آپ کے کلکِ گوہر سلک کی آزادہ روی اور قلم کی زہر افشانی! جس جگہ غالب جیسا صاف گو اتنی کچھ نشانیاں چھوڑ جائے اسپر حاشیہ چڑہانا اور دن کو رات کر دکھانا آپ ہی کا کام ہے پھر ان شعرا کا کیا حال ہوگا جنکے متعلق اتنی نشانیاں بہم نہ پہونچ سکتی ہوں۔ لیکن مشکور ہیں ان حضرات کی محنتیں جو بلا خوف لومۃ لائم، غلط کو غلط اور صحیح کو صحیح ثابت کر دکھاتے ہیں چاہے بعضوں کو ناگوار گزرے، یہاں آزاد کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے وہ غالب کے ضمن میں استطراداً لکھا گیا ہے اور وہ بھی اصولِ درایت و تنقید کے لحاظ سے۔ ورنہ آزاد کی استادی۔ قادر الکلامی اور معجز نگاری سے مجھے انکار نہیں۔ مگر یہ بھی واقعہ ہے کہ (۱) وہ بیانِ واقعات میں ابلیسانہ تحریف و تدلیس سے کام لیتا ہے اور (۲) اداے مطلب میں اس حد تک رنگین بیانی، تناسب و ایہام کو کام میں لاتا ہے کہ وہ

لطافت سے متجاوز ہوکر ضلع جگت پھبتی کے سوا کچھ نہیں رہجاتا۔ آزاد کی تحریریں اسطرح واضح اور مبیّن ہیں کہ زمانہ جیسے نقاد کے ہاتھوں اسکا پوشیدہ رہنا یا پوشیدہ کرنے کی کوشش کرنا "حجاب نوعروساں" سے بیش نہیں کہ "اگرماند شبے ماند شب دیگر نمی ماند"

آزاد کی آبحیات کو لوگ جس قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں دراصل وہ انہی خرابیوں کی وجہ سے اس قدر کے لائق نہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آزاد نے اردو شعراء کا تذکرہ ایسے وقت میں لکھا اور اردو والوں پر احسان کیا جب قریب تھا کہ یہ سب حالات زمانہ کے ہاتھوں فراموش ہو جاتے مگر یہ غلط ہے آزاد کو میر تقی میر کا نکات الشعرا نامی تذکرہ کہیں سے ہاتھ لگ گیا وہ تھا نایاب۔ اسنے بھی سوچا ہوگا کہ یہ کتاب کاہے کو بعد میں کسی کو ملیگی لہذا لاؤ جسکا ذکر جیسا چاہو لکھدو۔ اور اسنے ایسا ہی کیا۔ مگر حق کبھی چھپایا نہیں باطل کو عارضی فروغ ہوتا ہے۔ زمانہ نے کروٹ لی۔ مولانا حبیب الرحمٰن خانصاحب شروانی نے تذکرہ نکات الشعرا پر مقدمہ لکھکر اس سے زیادہ احسان کیا جتنا آزاد کی آبحیات نے کیا تھا۔ نکات الشعرا مل گیا اور شایع ہوگیا۔ اب نکات الشعرا اور آبحیات کے مقابلہ سے قدم قدم پر مسخ و تحریف کا عمل نظر آتا ہے۔ ادھر مسند درس و تدریس کے ایک نام لیوا بے چین ہوگیا کہ افسوس! نامور اور باکمال شعرائے اردو کو "آبحیات" سے کیا فائدہ پہونچا جب سب لوگ چاروں طرف عجیب عجیب بدنما ہیئت میں پڑے سسک رہے ہیں ایسی زندگی جاوید سے تو انکی گمنامی ہی اچھی تھی۔ لہذا اسنے محض حق کی حمایت میں "گل رعنا" کھلایا۔ رسالہ نگار نے عام شعرا کے حالات پر مختصر تبصرہ کرکے آزاد کی قلعی کھولدی اور مرزا فرحت صاحب نے حکیم آغاجان عیش کا صحیح حال لکھکر آزاد کا فریب طشت از بام کردیا ——— "کجا بود مرکب کجا تاختیم"، ذیل میں دلائل تسنن بیان کرتا ہوں اسکے بعد داخلی شہادت عرض کرونگا۔

۱۔ غالب تراویح پڑھتا تھا۔ اور یہ تراویح پڑھنی غدر سنہ ۱۸۵۷ء سے لیکر سنہ ۱۸۶۹ء (سنہ وفات غالب) تک کا فعل ہے یعنی آخر عمر کا کیونکہ یہ خط غدر کے بعد کا ہے اور تراویح کوئی شیعہ نہ پڑھے گا نہ کہ مسجد جامع جاکر۔

۲۔ اقوال و تصانیف سے جو تشیع ظاہر ہوتا ہے تو زیادہ تر فارسی کلام سے ظاہر ہوتا ہے اور وہ بھی بہ تقلید ایران ہے۔ اور اوائل عمر کا کلام ہے کیونکہ اسنے آخر عمر میں فارسی قصائد۔ فارسی خطوط نویسی بند کردی تھی جگر کاوی کی طاقت نہ رہ گئی تھی۔

۳۔ وہ ایک بزرگ صوفی (شاہ محمد اعظم صاحب غالباً) کا مرید تھا۔ اور شیعوں میں ارادت و بیعت نیز ولایت و تصوف کا کوئی مفہوم نہیں ہے۔

۴۔ وہ اہلبیتؑ سے دلی محبت رکھتا تھا، چند خارجی اسباب بھی اسکے تصنع شیعیت کا سبب بنے۔

۵۔ اسنے کسی صحابی کو برائی سے یاد نہیں کیا جو خالص تسنن کی علامت ہے۔

۶۔ سب سے بڑھکر یہ کہ درگاہ سلطان نظام الدین اولیاؒ میں مدفون ہوا۔ جسے نہ کوئی شیعہ پسند کرتا نہ اسکو میسر ہوتا۔

۷۔ مولانا حالی کی شہادت:۔ (نمبر ۱۔ یادگار صفحہ ۹۰) "اہلسنت اور امامیہ دونوں فرقوں کے لوگ جنازہ کی مشایعت میں شریک تھے سید صفدر سلطان..... نے نواب ضیاالدین خاں مرحوم سے کہا "مرزا صاحب شیعہ تھے ہم کو اجازت ہو کہ ہم اپنے طریقہ پر ان کی تجہیز و تکفین کریں مگر نواب صاحب نے نہ مانا اور تمام مراسم اہلسنّت کے موافق ادا کئے گئے، اسمیں شک نہیں کہ نواب صاحب سے

زیادہ اُنکی اصلی مذہبی خیالات سے کوئی شخص واقف نہیں ہو سکتا" جہاں تک مجھے معلوم ہے نواب ضیاالدین خاں مرزا کے عزیز قریب تھے۔ ان کا یہ فعل، اور سید صفدر کی درخواست کو نامنظور کرنا مرزا کے سنی ہونیکی بڑی دلیل ہے۔ (نمبر ۲- یادگار صفحہ ۶۸)

"اگرچہ مرزا کا اصل مذہب صلح کل تھا مگر زیادہ تر اُنکا میلانِ طبع تشیع کیطرف پایا جاتا تھا۔ جناب امیرؑ کو وہ رسولؐ اللہ کے بعد تمام امت سے افضل جانتے تھے۔ ایک بار بادشاہ نے کہا "ہمنے سنا ہے مرزا غالب شیعی مذہب ہیں...." تو مرزا نے چند رباعیاں لکھکر حضور کو سنائیں جنمیں تشیع اور رفض سے تحاشی تھی۔ ایک رباعی اسوقت یاد رہگئی ہے۔

جن لوگوں کو ہے مجھ سے عداوت گہری
کہتے ہیں مجھے وہ رافضی و دہری
دہری کیونکر ہو جو کہ ہووے صوفی
شیعی کیونکر ہو ماوراءالنہری

.... چوتھے مصرعہ کا مطلب یہ ہے کہ ماوراءالنہری یعنی ترکستان کے لوگ متعصب سُنّی ہونے میں ضرب المثل ہیں یہانتک کہ شیعہ انکو ناصبی و خارجی سمجھتے ہیں۔ چونکہ مرزا کی اصل ماوراءالنہر سے تھی اسلئے کہتے ہیں کہ ماوراءالنہری رافضی یا شیعی کیونکر ہو سکتا ہے۔ جو لوگ مرزا کی طرزِ مزاج اور طرزِ کلام سے ناآشنا ہیں وہ شاید یہ سمجھیں کہ مرزا نے بادشاہ کے حضور میں اپنا رسوخ قایم رکھنے کیلئے اپنا مذہب غلط بیان کیا اصل حقیقت یہ ہے کہ سب رباعیاں بادشاہ کے خوش اور اہل دربار کے ہنسانے کے لئے لکھی گئی تھیں کیونکہ دربار میں ایک متنفس بھی ایسا نہ تھا جو مرزا کو شیعی یا کم سے کم تفضیلی نہ جانتا ہو" انتہی۔

اس عبارت سے اتنی باتیں معلوم ہوتی ہیں (۱) مرزا جس مذہب کے بھی رہے ہوں کٹر، تشدد اور متعصب نہ تھے۔ رواداراور صلح کل تھے (۲) انکا میلان شیعیت کیطرف تھا کیونکہ وہ جناب امیر کو افضل سمجھتے تھے۔ (مگر یہ کوئی تشیع نہیں۔ تفضیل علی کے تو بہت سے سُنّی قایل ہیں۔ خصوصاً اہل تصوف (۳) مرزا نے اپنے تسلی کی تردید کی ہے۔ مرزا کی طبیعت کو نہ پہچاننے والے لوگ شاید یہ سمجھیں کہ اسنے خوشامد میں اپنے کو سُنّی کہا ہے مگر نہ اسنے غلط کہا ہے نہ خوشامد کی ہے۔ بلکہ دربار والے جو اسکو شیعی یا تفضیلی سمجھتے تھے وہ ان باتوں کو کب مانتے لہذا انکے ہنسانے اور خوش کرنیکو رباعی لکھی ورنہ غالب جو تھا وہ تھا۔

یہ تھی مولانا حالی کی عبارت اور شہادت جسکو ہمنے باوجود اصولی اختلاف کے لکھدیا ہے مولانا حالی نے گو انکو تفضیلی کہنے میں ایک علمی سہو و مسامحہ سے کام لیا ہی پھر بھی انکی تحریر سے صاف ٹپک رہا ہے کہ وہ اسکو سُنّی جانتے ہیں مع.... میلان.... پایا جاتا تھا" اس جملہ کا بہ صیغۂ مجہول لکھنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ انکو اس سے اختلاف ہے اور ایک ضعیف سے شک پر مجہول کا صیغہ لکھدیا۔ وہ بھی کیا کرتے۔ آزاد جو خود شیعہ ہے وہ بھی تو غالب کو صاف شیعہ نہیں لکھتا اور نہ لکھ سکتا تھا۔ لہذا انہوں نے بھی اسکی ہر مذہبی طبیعت کو عام سُنّی ذہنیت سے ہٹا ہوا دیکھ کر تنزل کے طور پر تفضیلی لکھ کر پیچھا چھڑانا چاہا۔ مگر یہ ان کا سہو ہے۔ انکی طرح اکثر سنیوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ "تفضیلی" شاید سنیوں کا کوئی فرقہ ہے مگر "تحفۂ اثنا عشریہ" میں شاہ صاحب نے لکھدیا ہے کہ "تفضیلی شیعوں کا فرقہ ہے اور خطرناک فرقہ ہے"

اب میں مرزا کے دیوان فارسی و اردو سے داخلی شہادت اس بات کی پیش کرتا ہوں کہ غالب سنی تھا اور سنیوں اور صوفیوں کے

کے عقاید کا قایل:-

۱- وحدتِ وجود اور وحدتِ شہود - جو صرف حضرات صوفیہ کا عقیدہ و مسئلہ ہے۔

۱- دل ہر قطرہ ہے سازِ انا البحر
ہم اوس کے ہیں ہمارا پوچھنا

۲- قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا لیکن
ہم کو منظور تنک ظرفیِ منصور نہیں

۳- ہاں کھائیو مت فریبِ ہستی
ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے

۴- ہر چند ہر ایک شئے میں تو ہے
پر تجھ سی تو کوئی شئے نہیں ہے

۵- ہے مشتمل وجود صور پر وجود بحر
یاں کیا دھرا ہے قطرۂ و موج و حباب میں

۶- ہے غیبِ غیب جسکو سمجھتے ہیں ہم شہود
ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں

۷- محرم نہیں ہے تو ہی نواہائے راز کا
یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

۸- جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود
پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے

مینے ہر شعر کا مطلب الگ الگ لکھنا مناسب نہ سمجھا - ان تمام اشعار کا مطلب تمثیلوں اور طرز ادا کی رنگارنگی کو چھوڑکر، تھوڑے تھوڑے فرق سے یہ ہے کہ دنیا اور دنیا والوں کا وجود الگ کوئی چیز نہیں - دنیا میں صرف خدا کا وجود اور اس کے آثار و علائم موجود ہیں - کثرت کے پردہ میں وحدت مخفی ہے مگر دیکھنے والوں کے لئے بالکل نمایاں ہے - ہر چیز جلوہ خداوندی کی مظہر ہے لہذا وحدت شہود سے ترقی کر کے ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ گویا ہر چیز خدا ہے - مگر ہم منصور نہیں کہ چھلک پڑیں یا اُبل جائیں ہم ضابط ہیں کہ دریا کا دریا پئے بیٹھے ہیں اور ڈکار تک نہیں لیتے۔

۲- مرتبۂ فنا:-

۱- ہر چند سبکدست ہوئے بت شکنی میں
ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہیں سنگ گراں اور

۲- عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا
. . . .

۳- قطرہ ملجائے جو دریا میں تو دریا ہو جائے
. . . .

۴- توی فتادہ چو نسبت ادب مجو غالب
ندیدہ کہ سوئے قبلہ پشت محراب است

مطلب یہ کہ فنا فی اللہ ہو جانا چاہیے اور من تو شدم کا درجہ حاصل کر لینا چاہیے تاکہ من دیگرم تو دیگری کا الزام نہ دے سکے - یہی انسان کو منصب ہے اور یہی غایت کمال

۳- وجود عالم -

دہر جز جلوۂ یکتائی معشوق نہیں
ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہوتا خود بیں

اسمیں اشارہ ہے ایک مشہور حدیث قدسی کی طرف یعنی کُنتُ کنزاً مخفیاً فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الخلق۔

ان عنوان کے علاوہ بھی اسکی نثر و نظم میں اس کثرت سے "مسائل تصوف" ملتے ہیں کہ فی الحقیقت اگر وہ "بادہ خوار" نہوتا تو ہمیں اسکو "ولی" کہنے میں ہرگز باک نہوتا۔ کتاب سراج المعرفت پر جو دیباچہ لکھا ہے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ کسی غیر صوفی نے لکھا ہے۔ ہرگز نہیں۔

مضمون بہت طویل ہو گیا اس لئے میں ختم کرتا ہوں۔ اور خاتمہ پر اپنی ساری تحریر کا خلاصہ بہ بانگ دہل کہونگا کہ ان شواہد پر غالب کو شیعہ کہنا گویا انصاف کا خون کرنا ہے۔ وہ ہرگز شیعہ نہ تھا۔

سخن فہم حضرات اگر اسکی تحسین فرمائیں گے تو میں سمجھوں گا کہ میری محنت ٹھکانے لگی اور کوتاہ بینوں کے لئے تو علامہ "شبلی" کا فیصلہ پہلے سے ہو چکا ہے۔

ازرہ وہم قبول تو فارغ نشستہ ایم　　اے آنکہ خوب ما نشناسی ز زشت ما

سراج الحق مچھلی شہری